ڈاکٹر نشاں زیدی

B-63/S-2, DLF Colony, Ghaziabad, UP

قرۃ العین حیدر کی سفر نامہ نگاری: ایک جائزہ

تلخیص

قرۃ العین حیدر کا نام اردو ادب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں وہ ادب کا ایک ایسا نام ہیں جن پر اردو ادب ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ کیونکہ قرۃ العین حیدر جیسی شخصیات صدیوں میں جنم لیتی ہیں۔ اردو فکشن کو ایک نئے آہنگ سے اس طرح ہمکنار کیا کہ اردو ادب کو عالمی ادب کے مقابل بنا دیا۔ ان کی تخلیقات قاری کے ذہن میں ایک نئی جہات کے دریچے وا کرتی ہیں۔ افسانے، ناولٹ، ناول، سفر نامے، رپورتاژ، تراجم اور خودنوشت ایک ساتھ کئی اصناف میں طبع آزمائی کر کے انہوں نے اردو ادب میں گراں قدر اضافہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرۃ العین حیدر نے ایک منفرد فکشن نگار کی حیثیت سے ایسا مقام حاصل کیا ہے کہ رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے گا۔ ان کے کارناموں کی داستان کا ایک ورق ان کی سفر نامہ نگاری بھی ہے۔ قرۃ العین حیدر کے دو سفر نامے ''دکھلایئے لے جا کر اسے مصر کا بازار'' (1976) اور ''جہان دیگر'' (1979) ان کے بہترین سفر نامے ہیں۔ دیگر نثری تخلیقات کی طرح سفر ناموں کی بھی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ان میں سفر کے مشاہدات و تجربات کا دلچسپ پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے۔ قرۃ العین کا سفر نامہ صرف سفر کی روداد نہیں بلکہ عالمی منظر نامہ ہے۔ انہوں نے بہت سے مسائل پر گفتگو کی ہے۔ خاص طور پر خواتین اور مسلمانوں کے مسائل کو زیادہ ترجیح دی ہے۔ ان کے سفر نامے میں اسلوب کا فطری ارتقاء ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کا ذکر انہوں نے ایک خاص پیرائے میں کیا ہے۔ زبان میں سلاست اور روانی ہے۔ سفر نامے کو پڑھتے وقت قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ سب مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ ''جہان دیگر'' میں جہاں افسانے جیسا لطف ہے وہیں تاریخ کے بارے میں بھی اہم معلومات فراہم کرائی گئی ہے۔

اردو ادب کے افق پر قرۃ العین حیدر(20 جنوری 1927 ۔21 اگست 2007) ایک ایسا چمکتا ستارہ ہیں، جس کی چمک کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔انہوں نے اردو نثر کے میدان میں ایسے گل بوٹے کھلائے کہ ادب کا دامن خوشنما ہو گیا۔اردو فکشن کو ایک نئے آہنگ سے اس طرح ہمکنار کیا کہ اردو ادب کو عالمی ادب کے مقابل بنا دیا۔فکشن میں اہم تجربے کیے۔ان کی تخلیقات قاری کے ذہن میں ایک نئی جہات کے دریچے وا کرتی ہیں۔افسانے،ناولٹ،ناول،سفر نامے،رپورتاژ،تراجم اور خودنوشت ایک ساتھ کئی اصناف میں طبع آزمائی کر کے انہوں نے اردو ادب میں گراں قدر اضافہ کیا۔یہی وجہ ہے کہ قرۃ العین حیدر نے ایک منفرد فکشن نگار کی حیثیت سے ایسا مقام حاصل کیا ہے کہ رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے گا۔ان کے کارناموں کی داستان کا ایک ورق ان کی سفر نامہ نگاری بھی ہے۔قرۃ العین حیدر کے دو سفر نامے''دکھلائیے لے جا کر اسے مصر کا بازار''(1976)اور'' جہان دیگر''(1979)ان کے بہترین سفر نامے ہیں۔دیگر نثری تخلیقات کی طرح سفر ناموں کی بھی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ان میں سفر کے مشاہدات و تجربات کا دلچسپ پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے۔

سفر نامہ نویسی ایک ایسا فن ہے، جو ہر خاص و عام کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتا ہے، بلکہ سفر نامہ نگار اپنے انداز تحریر سے قاری کو بھی اپنا شریک سفر بنا لیتا ہے۔اس میں تاریخی حقائق،جغرفیائی صورتحال ،تہذیبی رنگ و روایت کے عنصر موجود ہوتے ہیں۔قرۃ العین حیدر نے روداد سفر کو دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے اور دوران سفر پیش آنے والے تلخ و شیریں تجربات سے قاری کو مؤثر انداز میں روشناس کرایا ہے۔

''جہان دیگر''قرۃ العین حیدر کا اہم سفر نامہ ہے، جو سترہ ابواب پر مشتمل ہے۔مصنفہ نے ہر باب کا نام کسی دلچسپ واقعہ پر رکھا ہے۔ان عنوانات میں اتنی کشش ہے کہ وہ قاری کو پڑھنے کی طرف راغب کرتی ہے۔

''اڑن ہاتھی اور بڑھیا کا تنور،مور کی آخری آہ،گل آفتاب،صور اسرافیل،پیپل کا درخت، کہرے میں چھپے جزیرے،خیاباں خیاباں ارم،نادیہ لیلیٰ فاطمہ،ہواؤں کا شہر،دور کی بانسری کے سُر،سوپ اور پیرا ہن شنائی اسٹیٹ،فرشتوں کی ملکہ مریم کا شہر،کاؤبوائے اور ریڈ انڈین،تنہا ستارہ،ڈکسی مون،الفا اور اومیگا۔

سفر نامے میں مصنفہ نے امریکہ کے سفری احوال،تجربات و مشاہدات کو دلچسپ انداز میں قلم بند کیا ہے۔انہوں نے صرف خوبصورت مناظر کی ہی سیر نہیں کرائی بلکہ تلخ حقیقت کو بھی بیان کیا ہے۔ایک ایک چیز کا گہرائی سے مطالعہ کر کے قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔مصنفہ نے سفری

احوال کے ساتھ ساتھ سفر کے دوران ٹرین میں جن لوگوں کو دیکھا ان کا ذکر بھی کیا ہے۔مثال کے طور پر سامنے والی سیٹ پر ایک عمر رسیدہ خاتون بیٹھی ہیں، جو مائکرو ویو خرید کر لائی ہیں ان کے ساتھ ان کی بیٹی بھی ہے۔اور وہ اپنی بیٹی سے مائکرو ویو کا ذکر بڑی تفصیل سے کر رہی ہیں اور مائکرو ویو کی ایک ایک خوبی کو بیان کر رہی ہیں۔مصنفہ نے ماں بیٹی کی باتوں کو بڑے غور سے سنا اور نہ صرف سفر نامے میں درج کیا بلکہ اپنے ایک باب کا نام ہی ''اڑن ہاتھی اور بڑھیا کا تنور'' رکھ دیا۔جو قاری میں تجسس پیدا کرتا ہے۔

قرۃ العین حیدر نے قدم قدم پر زندگی کے نئے تجربات و مشاہدات سے قاری کو روشناس کرایا ہے۔اس سفر نامے کی یہ انفرادیت ہے کہ اس میں ماضی اور حال کا بیان ایک ساتھ افسانوی انداز میں ملتا ہے۔کہیں کہیں افسانے کی مانند فلیشبیک میں بھی سفر نامے کو آگے بڑھایا ہے۔مصنفہ نے جہاں امریکہ کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیا ہے وہیں ماضی کے حالات پر بھی بات کی ہے۔بلکہ انہوں نے ہزاروں سال کی تاریخ کو اس سفر نامے میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے:

> ''1567ء میں فلپ دوئم نے الحمراء کے تمام حمام توڑ ڈالے کہ مفتوح مسلمان نہانے سے باز آئیں۔زوال غرناطہ کے بعد وہ بے چارے ناکام گریلا لڑائیاں لڑتے پھرے۔مارے گئے۔مراکش جلاوطن ہوئے۔باقی ماندہ کو زبردستی بپتسمہ دیا گیا اور وہ مسیحی آبادی میں مدغم ہو گئے۔مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک ہسپانیہ کو یورپ کا دانش کدہ اور زرخیز ترین ملک بنائے رکھا۔ان کے خاتمہ کے بعد اندلس ایک بار پھر صحرا میں تبدیل ہوا۔نہریں اور کھیت خشک، مدارس ویران، نئے مفلوک الحال عیسائی ہسپانوی قسمت آزمائی کے لیے سمندروں پر نکلے۔بہت جلد بحیثیت ایک بد دماغ بے رحم امپیریل بحری طاقت اپنے عرب ورثہ کا غرور اور بانکپن اور موسیقی اور مورش طرز تعمیر ساتھ لیے وہ دنیا پر چھا گئے۔مشرق میں گوا، اور فلپائن۔شمالی امریکہ میں فلورائڈ، مغربی صحرا، کیلی فورنیا، میکزیکو، جزائر غرب الہند، سال جنوبی امریکہ۔سیاہ چشم ٹی وی اسٹار اور میڈرڈ سے آنے والا ہسپانوی فادر دونوں اپنے اس عرب ورثے سے لاعلم اور بے نیاز ہیں۔عرب امیج اس وقت یہ قمار باز پروڈالر پتی اور چونچ نما نقاب پہنان کے حرم کی عورتیں دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہیں۔''

(جہان دیگر از قرۃ العین حیدر، ص،91)

سفرنامہ نگار نے مشرقی تہذیب اور مغربی تہذیب کا موازنہ بھی کیا ہے۔اور مغربی تہذیب کی طرف اہل مشرق کے رجحان کے جواز پر بھی بات کی ہے اور اس کی یہ وجہ بھی بتائی ہے کہ مغربی ٹیکنالوجی نے ہمیں اپنے حصار میں لے لیا ہے۔اس ضمن میں انہوں نے نہ صرف موجودہ صورتحال پر غور کیا ہے بلکہ سیکڑوں سال کی تہذیب کو بھی مدنظر رکھا ہے:

''یہودی مسیحی مغربی تہذیب کے سائنسی اور ٹیکنولوجیکل کارناموں سے بہرہ اندوز ہونے کے ساتھ ان میڈیول معاشروں میں ہلچل مچی اس کا نتیجہ ایران میں سامنے آچکا تھا۔اور عرب ممالک ایک بحران سے کسی لمحے بھی دوچار ہو سکتے تھے۔ شہزادی اور اس کے عاشق کا قتل اسی بحران کا ایک پہلو تھے۔ہم لوگ جو ڈیڑھ سو سال سے برطانیہ کی نوآبادی رہے اس اچانک بحران کا سامنا کرنے کے بجائے ان تبدیلیوں کے اثرات کو بتدریج جھیل گئے۔نظریاتی اور تہذیبی تصادم کا سامنا ہوشمندی سے سرسید اور ان کے ساتھیوں نے سو سال قبل کیا تھا۔خلیجی اور سعودیہ عرب اس ٹکراؤ سے دوچار تھے۔اور خلائی عہد کا قرون وسطیٰ کی دنیا سے یہ ٹکراؤ خوفناک اور لرزہ خیز تھا۔مغربی ٹیکنولوجی ہماری زندگیوں کا ایسا لازمی حصہ بن گئی ہے کہ ہم اس کے متعلق سوچتے بھی نہیں۔مرزا غالب کلکتہ میں صاحبان فرنگ کے کمالات دیکھ کر ہی انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔آج مرزا غالب کے ساری دنیا میں ڈنکے بج رہے ہیں۔''

(ایضاً،ص۔76)

قرۃالعین حیدر نے سیکڑوں سال کی تہذیب کو اس سفرنامے میں سمونے کی کوشش کی ہے اور اگر کہیں بات پوری نہیں کہہ پائی ہیں تو انہوں نے وہاں پر اپنے سوانحی ناول ''کار جہاں دراز ہے'' کا حوالہ دیا ہے لیکن اپنے قارئین کو پوری پوری معلومات فراہم کرانے میں کامیاب رہی ہیں۔امریکہ کی ریاست کے بارے میں بتاتی ہیں کہ ہر ریاست کوئی نہ کوئی تخلص رکھتی ہے:

''امریکہ کی ہر ریاست ایک تخلص بھی رکھتی ہے۔مثلاً اری زونا۔''گرینڈ کینن اسٹیٹ''۔ ارکنسو''بہترین مواقع کی سرزمین''۔ کیلی فورنیا۔''گولڈن اسٹیٹ''۔ ڈیلاویر۔

''ڈائمنڈ اسٹیٹ''۔ فلوریڈا۔''سن شائن اسٹیٹ''۔ جارجیا۔ایمپائر اسٹیٹ آف دی ساؤتھ''۔ کینسی۔''گل آفتاب''۔ کین ٹکی۔''نیلی گھاس''۔ مین۔''صنوبر''۔ منی سوٹا۔ ''شمالی ستارہ''۔ مس پی۔''منگولیا''۔ نیوادا۔''سلور اسٹیٹ''۔ بنورجرزی۔''گارڈن اسٹیٹ''۔ نیویارک ۔''امپائر اسٹیٹ' (ایمپائر ۔ یعنی اول) ٹیکس۔''تنہا ستارہ''۔ واشنگٹن۔''سدا بہار''وغیرہ وغیرہ۔''(ایضاً،ص۔56)

اسی طرح مصنفہ نے ان تمام ریاستوں کی خوبیوں کے بارے میں بھی بتایا ہے اور اپنی تہذیب کے امتیازات بھی بیان کیے ہیں۔اور اپنے مشترکہ خاندانی روایت کا ذکر بھی کیا ہے۔ سفرنامے کے مطالعہ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مصنفہ کو پرانی قدروں سے لگاؤ ہے۔یہی وجہ ہے وہ بچپن کے چھوٹے چھوٹے واقعات کو یاد کر کے محظوظ ہوتی ہیں، جب وہ امریکہ کی آزاد اور مصروف زندگی کو دیکھتی ہیں تو انہیں اپنا وطن یاد آتا ہے، جہاں سب کے پاس سب کے لیے وقت ہوتا تھا، وہ بچپن کی حسین وادیوں کی سیر کرنے لگتی ہیں اور ان کو اپنے وطن نہٹور کی مشترکہ خاندان کی روایتیں یاد آنے لگتی ہیں۔مصنفہ نے مشترکہ خاندان کی اہمیت کو اس طرح بیان کیا ہے:

''ہم لوگوں کے مشترکہ خاندان کی روایت کو یہ لوگ سمجھ نہیں سکتے۔'' آپا حمّن بولیں۔'' نہٹور میں یا جس جگہ بھی پورا خاندان جمع ہوتا۔کس قدر تفریح رہتی تھی۔ 1928ء کی بات ہے میں آٹھ نو سال کی تھی مگر اچھی طرح یاد ہے گویا کل کا واقعہ ہو۔سب سے پہلا فینسی ڈریس ہوا۔ مجھے یاد ہے سب میرٹھ میں جمع تھے۔امی جان کمہارن بنیں ابا جان کمہار۔چھوٹی چچی جان بہشتی۔ بڑے ابا بڑی اماں جوگی جوگن۔جوگن کے لیے ستار کسی ہندو دوست کے یہاں سے منگوایا گیا تھا۔وہ وقت پر پہنچا نہیں۔ چچا نثار حیدر مرحوم نے فی البدیہہ یہ نظم کہی۔اب بھلا دیکھو۔ ورمونٹ میں بیٹھ کر مجھے وہ بھولی بسری نظم یاد آئی۔

(ایضاً،ص۔70)

مصنفہ نے مغربی زندگی کا بغور مطالعہ کیا ان کے روزمرہ کو دیکھا اور خوبیوں کو سراہا اور اپنے ماحول سے موازنہ بھی کیا۔مغربی ماحول سے روشناس کرانے کے لیے کہیں بیانیہ کے طور پر

خود بیان کیا ہے اور کہیں مکالموں کے ذریعہ کسی دیگر کے ذریعہ بھی عکاسی کی ہے۔اس اقتباس میں مغرب کی نیوکلیئر فیملی پر مصنفہ نے اپنی بھانجی زیبا سے بڑے دلچسپ انداز میں تبادلۂ خیال کیا ہے:

''سان فرانسسکو سے بھانجی زیبا کی آواز آئی۔امریکہ میں ''نیوکلیر فیملی''، محض شوہر بیوی اور بچوں پر مشتمل ہے۔'' یہاں سب کچھ ہے بس ہیومن ریلیشن شپ ختم ہوگئے۔'' میں نے کہا'' گوسوچنے کی بات ہے کہ ہم لوگ نے مشرق میں اب تک کیا تیر مار لیے۔پڑے کھاٹ پر پان چبا رہے ہیں اور سمدھی کے سالے یا پھوپھی کی نند کی جیٹھانی سے گپ ہو رہی ہے۔'' شدید انفرادیت پرستی اور دوسرے شخص کی۔۔۔PRIVACY کا احترام اور اپنے کام سے کام رکھنا مغربی تہذیب کی خوبی ہے۔اور شدید خوداعتمادی بقول شخصے ہر امریکن مجسم منشور آزادی بنا پھرتا ہے۔اسی انفرادیت کی وجہ سے اس قوم نے اشتراکیت اور اشتمالیت کو ہوا بنا رکھا ہے۔''خوش حالی، تحفظ اور آزادی'' امریکن خواب'' کے اجزاء ہیں۔اور بوڑھوں کی خوداعتمادی کا یہ عالم ہے کہ نینسی کی والدہ پچھتر سالہ بزرگ خاتون ماشاء اللہ واشنگٹن ڈی۔سی سے کار خود ڈرائیو کرتی اتنا لمبا فاصلہ تنہا طے کر کے بیٹی اور داماد سے ملنے آتیں۔ پارے کے خسر دوسری جنگ عظیم سے قبل برطانیہ میں لیٹویا کے سفیر تھے۔ جنگ کے بعد لیٹویا سویٹ یونین میں شامل ہوگیا۔وہ وطن واپس جانے کے بجائے کینیڈا آ گئے۔وہ میاں بیوی مونٹریال میں رہتے ہیں۔جب کبھی بیٹی اور داماد سے ملنے آتے ہیں۔پارے کی بیوی ڈائنا باضابطہ شام کا لباس پہن کر کوک ٹیلز سرو کرتی ہیں۔ڈنر کے بعد کچھ دیر پر تکلف گفتگو ہوتی ہے۔اس کے بعد ماں باپ واپس۔ایک ہمارے ہاں نقشہ ہے۔کہ ہفتوں مہینوں عزیز و اقارب اور دوست ایک دوسرے کے یہاں پلنگوں پر نیم دراز گھنٹوں مسلسل گپ ٹھونک رہے ہیں۔ بلا اطلاع بن بلائے ایک دوسرے کے ہاں پہنچ گئے اور مسلسل گپیں اس قسم کی قبائلی اجتماعی بے تکلف طرز زندگی کا مغرب میں تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔''

(ایضاً، ص۔96)

اس اقتباس میں مغربی اور مشرقی زندگی کے روزمرہ کے معمولات کو سمویا گیا ہے۔لیکن یہ سفر قرۃ العین حیدر نے 1979ء میں کیا تھا، جب ہندوستان میں مشترکہ خاندان کا رواج تھا،لیکن موجودہ دور میں بہت کچھ تبدیل ہو گیا ہے مشترکہ خاندان بہت کم نظر آتے ہیں اور نیوکلیر فیملی ہی کا رواج ہو گیا ہے۔رہی عزیز و اقارب اور دوستوں کے گھر جانے کی بات تو یہاں پر بھی ہم نے مغربی ممالک سے بہت زیادہ اثر قبول کیا ہے۔اب یہاں پر بھی لوگوں کے پاس بہت کم وقت ہے۔اس لیے ملاقات فون پر ہی ہو جاتی ہے۔

قرۃ العین حیدر کے سفرنامے کی یہ خوبی ہے کہ وہ تصویر کا ایک ہی رخ سامنے نہیں لاتیں بلکہ دونوں پہلوؤں سے قارئین کو روشناس کراتی ہیں۔انہوں نے جہاں معربی ممالک کی خوبیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے، وہیں خامیوں کو بھی بیان کیا ہے۔انہوں نے امریکہ میں ہونے والے نسلی تعصب کا ذکر بھی کیا ہے۔امریکیوں کی اس خامی پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ بھی تشویش ظاہر کی ہے کہ یہ نسلی تعصب کبھی ختم نہیں ہوگا امریکی صرف کالوں ہی سے نفرت نہیں کرتے بلکہ وہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔بے جا آزادی جسے لوگ آج کے دور میں فیشن سمجھتے ہیں یا روشن خیالی تصور کرتے ہیں، مصنفہ نے اس کا باریک بینی سے جائزہ لیا اور اس پر طنز کے نشتر بھی لگائے ہیں۔وہ برکلے کے لزبین بار بھی گئیں اور ہم جنسوں کی زندگی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔امریکہ کی بیجا آزادی کو دیکھ کر وہ افسردہ ہو جاتی ہیں اور اس کو سماجی برائی گردانتی ہیں اور اس مقام پر وہ اپنی مشرقی تہذیب پر فخر محسوس کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ان کا خیال ہے اگر عورت مرد کو ساتھ رہنا ہے تو اس کے لیے شادی ضروری ہے۔بن بیاہی لڑکی کے ماں بننے کا قصہ مکالموں کے ذریعہ اس طرح بیان کرتی ہیں:

> ''تمہاری غیر موجودگی میں۔'' میری نے چائے پیتے ہوئے کہا۔''انٹرنیشنل رائٹنگ پروگرام میں ایک عدد ولادت ہوئی۔'' ''ولادت۔؟ کس کے ہاں۔؟'' میں نے تعجب سے پوچھا۔''بوجھو۔'' سوچا سمجھ میں نہ آیا۔اولگا؟ لیلے؟ ایگنس۔یا تھیا تو ہو نہیں سکتیں۔رہیں نادیا اور فاطمہ تو یہ دونوں غیر شادی شدہ ہیں۔'' ''پھر سوچو۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا۔

''فاطمہ''!

''فاطمہ ڈیکے؟''میں نے بھوچکی ہوکر دہرایا۔''مگراس کی شادی نہیں ہوئی اورنہ معلوم ہوتا تھا کہ۔۔۔''

''نیورمائنڈ''چندروز ہوئے رات کے دو بجے اس نے مجھے فون کیا۔فوراً ہسپتال لے گئے۔صحت مند بچی پیدا ہوئی۔اسے وہاں چھوڑ کر فاطمہ تیسرے دن نیویارک چلی گئی۔جہاں اس کا پلے شروع ہونے والا تھا۔''سخت جان،قوی ہیکل باغی افریقی لڑکی۔''نادیا نے کہا۔

''اس نے کسی کونہیں بتایا کہ بچی کا باپ کون ہے۔شاید وہ جنوبی افریقہ میں ہی موجود ہے اوراس کا ہم قوم ہے۔برٹ اورتھیا نے فاطمہ سے کہا ہے کہ اگر وہ چاہے تو بچی کو متبنہ کر کے ہالینڈ لے جائیں گے۔مگراس نے منظورنہیں کیا۔بن بیاہی کالی عورتوں کے یہاں بھی عام طور پر بہت بچے پیدا ہوتے ہیں۔اوراب گوریوں کے یہاں بھی بہت ہورہے ہیں۔یہ نئی اخلاقیات کی دنیا ہے۔مگرنہ جانے فاطمہ پر جنوبی افریقہ میں کیا افتاد پڑی ہو،کیا پتہ کسی نے اسے دھوکہ دیا ہو،نہ معلوم اس کے ذاتی مسائل کیا ہیں۔ممکن ہے اسے ریپ ہی کیا گیا ہو۔اسے جج کرنے یا اسے ہمدردی جتانے کا ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔''نادیا نے کہا جو اپنے رویوں میں بہت مغربی تھی۔یہی رویہ پروگرام کے باقی اراکین کا تھا۔اپنے کام سے کام رکھنے اوردوسروں کے معاملات میں ناک نہ ڈبو کے زریں مغربی اصول کے تحت کسی نے اس واقعہ کا اشارتاً بھی ذکرنہیں کیا۔''

(ایضاً،ص۔181)

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ قرۃالعین حیدر مغربی ممالک کی بے جا آزادی سے کئی گنا بہتر مشرقی تہذیب وتمدن کو سمجھتی ہیں۔ان کا خیال ہے کہ مغربی تہذیب انسان کو وقتی طور پر چکا چوندھ کرسکتی ہے لیکن مشرقی تہذیب سے انسان وہ سب سیکھتا ہے جو پوری زندگی مشعل راہ بن سکتی ہے،اس کی روشنی میں وہ اپنی زندگی کی مشکل راہوں کو آسان بنا سکتا ہے۔اس سفرنامے کی خوبی یہ بھی ہے کہ جس واقعہ کو مصنفہ نے بیان

کیا ہے اس کے ساتھ پورا پس منظر بیان کیا ہے۔اور مؤثر انداز میں اپنے مقصد کو قلم بند کیا ہے۔

قرۃ العین حیدر عالمی شہرت یافتہ ادیبہ تھیں، ان کی نظر عالمی مسائل پر رہتی تھی یا یوں کہا جائے عالمی مسائل کا انہوں نے بغور جائزہ لیا۔امریکہ کے سفر کے دوران ان کی نگاہ صرف امریکہ کے مسائل پر ہی نہیں رہتی بلکہ جس ملک میں بھی بے گناہ عوام کا قتل عام ہو رہا تھا اس پر بھی بات کی ہے۔انہوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعہ انسانیت کے قتل کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ظلم کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔وہ ایران میں ہونے والے مظالم کا ذکر اس طرح کرتی ہیں۔

> ''اتنی خوبصورت، سہانی دلچسپ، مسرت بخش، فرحت انگیز دنیا اور چند انسانوں کو چند انسان سیاست کے نام پر پھانسی دے کر، گولی سے اڑا کر، زہر بم پھینک کر، خنجر جھونک کر اس عالم رنگ و بو سے معدوم کر دیتے ہیں۔آخر کیوں؟ ایران میں پچھلے برسوں میں کتنے مارے گئے۔اور اب بھی کتنے مارے جا رہے تھے۔''

(ایضاً، ص۔116)

مصنفہ کا یہ سفر ادبی تھا اسی لیے انہوں نے کئی سمیناروں میں شرکت کی اور کئی یونیورسٹی کا دورہ کیا۔ان کے اعزاز میں بہت سی تقریبات کا انعقاد کیا گیا۔مصنفہ نے کئی ادیبوں سے ملاقات کرائی ان کے خیالات سے روشناس کرایا اور وہاں پر اردو زبان کے استعمال پر تبادلۂ خیال کیا۔ اردو زبان جاننے والوں کا ذکر اس طرح کرتی ہیں:

> ''مغرب اور سوشلسٹ ممالک کی یونیورسٹیوں میں جو طالب علم برصغیر کی زبانیں پڑھنا شروع کرتے ہیں وہ اکثر اردو کو ترجیح دیتے ہیں۔نامور ہندی ادیب جب نجی طور پر بات چیت کرتے ہیں، تو بے ساختہ اور لامحالہ اردو بولتے ہیں۔لیکن اردو کی جو صورتحال ہے تو ہے۔عبرت۔عبرت۔ پریذیڈنٹس روم میں (جس کی دیوار پر یونیورسٹی کے سابق پریذیڈنٹوں کی تصاویر آویزاں تھیں) منعقد راقم الحروف کے سیمینار کے لیے (جس کا اعلان سان فرانسسکو کرانیکل میں چند روز قبل کیا جا چکا تھا) کافی سامعین موجود تھے۔اردو والے نازاں ہیں۔آہاہا۔دیکھئے صاحب مغرب میں بھی لوگ اردو پڑھ رہے ہیں۔بنکاک یا قاہرہ یا بغداد کی یونیورسٹیوں میں اردو پڑھائی

جائے تو اتنے مرعوب نہ ہوں گے۔"

(ایضاً، ص۔117)

مغرب میں فصیح و بلیغ اردو بولنے والوں سے ملاقات کر کے مصنفہ کو بہت اچھا لگا، وہاں پر ان سے ان کے ناولوں پر بھی گفتگو کی گئی۔ "میرے بھی صنم خانے" کے موضوع پر سوال کیے گئے وہیں "پت جھڑ کی آواز" کی ہیروئن "تنویر فاطمہ" کی ابنارمل نفسیات کے بارے میں ذہین سوالات کیے گئے۔ علاوہ ازیں پروفیسر برزونس پرے نے "کار جہاں دراز ہے" کے دوابواب "باغی سپاہی" اور "کچا پلئن اور کچا پائے مور" ریکارڈ کروائے۔ قرۃ العین حیدر سے لکھنؤ اور دہلی کے تلفظ پر بھی گفتگو کی گئی۔

سفر نامہ نگار نے خواتین کے مسائل پر بھی بات کی اور نسائی ادب سے بھی تو شناس کرایا ہے، دیار غیر میں جہاں انہوں نے اپنی تخلیقات کا ذکر کیا وہیں۔ دور اول کی خواتین تخلیق کار اکبری بیگم اور نذر سجاد حیدر کی تخلیقات پر بھی بات کی۔ "جدید ہندوستان کی ہندو اور مسلم عورت" عنوان کے تحت سیمینار میں اپنی تقریر کا ذکر اس طرح کرتی ہیں:

> دوسرے روز یونیورسٹی میں "جدید ہندوستان کی ہندو اور مسلم عورت" پر لیکچر دینے سے قبل گیل نے تعارف کرواتے ہوئے نذر سجاد حیدر اور ان کی پھوپھی اکبری بیگم مصنفہ گودڑ کا لال کا تذکرہ کیا تھا۔ لیکچر کے دوران مجھے گودڑ کے لال کی ثریا یاد آ گئی۔" مصنفہ نے اسے لاہور میڈکل کالج پڑھنے کے لیے بھیجا تھا۔ جو گویا ہندوستانی عورت کی بغاوت اور آزادی کی علامت تھی۔ مگر نقاب پہن کر ڈاکٹری کی تعلیم ممکن نہ تھی۔ وہ بے حد حسین تھی تا کہ لوگ اس پر نظر نہ ڈالیں وہ چہرے پر سیاہ پوڈر مل کر کلاس میں جاتی تھی۔ امریکن سامعین کو یہ قصہ انوکھا لگے گا۔ مگر آج سے ستر سال پہلے ایک پردہ نشین مصنفہ نے جو تخلیقی اور اپنا آئڈیل کردار پیش کیا تھا۔ وہ آج بھی ایک حد تک مشرقی عورت کا مسئلہ ہے۔ روایت کی پابندی اور روایت سے انحراف۔

(ایضاً، ص۔156)

قرۃ العین حیدر نے امریکہ پہنچ کر بہت سے ادبی و علمی پروگراموں اور سیمینار میں شرکت کی۔ ان پروگراموں میں مختلف مسائل پر تقریر کی۔ اپنے مقصد کو بیان کیا خصوصاً خواتین کو پیش آنے

مسائل پر تفصیل سے اظہار خیال کیا۔حقوق نسواں پر بات کرتے ہوئے اسلام نے عورت کو کیا کیا اختیارات دئے ہیں،قرآن میں عورت کے کن کن حقوق کا ذکر آیا ہے،اس سے بھی روشناس کرایا ہے۔ اسلامی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے عورتوں کے حقوق کو اس طرح بیان کرتی ہیں:

''جس وقت میں نے کہا مغربی عورتوں کو شوہر سے علیحدہ اپنی جائداد رکھنے کا حق اب جا کر ملا ہے۔قرآن نے یہ حق چودہ سو برس قبل دیا تھا،اس وقت سامعین میں ایک امریکن لڑکی بالکل ٹھیک بالکل درست کہے جا رہی تھی۔''

(ایضاً،ص۔55)

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ قرۃ العین کا سفرنامہ صرف امریکہ کے سفر کی روداد نہیں بلکہ عالمی منظرنامہ ہے۔انہوں نے بہت سے مسائل پر گفتگو کی ہے۔خاص طور پر خواتین اور مسلمانوں کے مسائل کو زیادہ ترجیح دی ہے۔ان کے سفرنامے میں اسلوب کا فطری ارتقاء ہے۔چھوٹی چھوٹی باتوں کا ذکر انہوں نے ایک خاص پیرائے میں کیا ہے۔زبان میں سلاست اور روانی ہے۔سفرنامے کو پڑھتے وقت قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ سب مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔''جہان دیگر'' میں جہاں افسانے جیسا لطف ہے وہیں تاریخ کے بارے میں بھی اہم معلومات فراہم کرائی گئی ہے۔سفرنامہ نگار نے نہ صرف لفظوں کے ذریعہ قاری کے سامنے تصویر پیش کی ہے بلکہ اپنے تاثرات وجذبات کا اظہار مؤثر انداز میں کیا ہے۔

☆☆☆

حواشی:

۱۔دکھلایئے لے جا کر اسے مصر کا بازار،قرۃ العین حیدر(1976)

۲۔جہان دیگر،قرۃ العین حیدر(1979)